سعید ملک : جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب

سید محمد ذوالقرنین

مرحوم سعید ملک جماعت اسلامی کے ان چند عظیم المرتبت اور قابل احترام ہستیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے فکر و عمل سے جماعت کی نہایت مخلصانہ اور ایماندارانہ خدمات سرانجام دیں اور جماعت کی فکری اور سیاسی بساط کو بڑی تقویت پہنچائی۔ سعید ملک کا تعلق راولپنڈی کے ایک مذہبی گھرانے سے تھا۔ ان کا مطالعہ قرآن و حدیث، تاریخ و سیاست اور فلسفہ بڑا وسیع تھا۔ وہ نہ صرف قدیم علوم سے آشنا تھے بلکہ جدید تصورات اور بین الاقوامی سیاست کے نشیب و فراز کو بھی بخوبی سمجھتے تھے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سے ان کا غائبانہ تعارف ان کے رسالے "ترجمان القرآن" کے ذریعہ ہوا۔ مولانا مودودی کی فکر نے سعید ملک کو اپنا اسیر بنا لیا جس کے نتیجے میں سعید ملک کی پہلی بالمشافہ ملاقات مولانا مودودی سے ۱۹۳۹ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے ہال میں ہوئی۔[۱] مولانا مودودی اکتوبر ۱۹۳۹ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۴۰ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں دینیات کے اعزازی معلم تھے۔[۲] قیام لاہور کے دوران سعید ملک کی مولانا سے ملاقاتیں عقیدت اور احترام میں ڈھل گئیں اور یہ تعلقات اتنے گہرے ہوئے کہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی معہ اپنے اہل و عیال کے سعید ملک کے گھر کے ایک حصہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ جبکہ مکان کی دوسری منزل میں سعید ملک خود مقیم تھے۔ وہ مولانا کی شخصیت اور تحریروں سے اتنے متاثر تھے کہ انہوں نے سرکاری ملازمت کو خیرباد کہا مولانا کی معیت میں خدمت دین کی راہ اختیار کی۔ مولانا مودودیؒ بھی سعید ملک کی ذہانت اور جذبہ ایمانی اور فکر و نظر کی تازگی کو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ "جس روز سعید ملک نے جماعت اسلامی کی رکنیت حاصل کی اسی روز مولانا مودودیؒ نے انہیں جماعت کی شوریٰ کا رکن نامزد کر دیا تھا۔ وہ شوریٰ کے سب سے کم عمر لیکن انتہائی ذہین رکن تھے۔ جماعت کے لئے پوری یکسوئی اور لگن سے کام کرنے کی خاطر انہوں نے ملازمت چھوڑی اور "راولپنڈی ڈویژن کے امیر مقرر ہوئے۔"[۳]

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا یہ وہ دور تھا جبکہ سیاسی آزادی کے حصول کی تحریکوں نے تمام ملک کو اپنی

لپیٹ میں لے رکھا تھا- آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانان ہند کو اپنے پرچم تلے اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اور مسلمانان ہند کی اکثریت قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں منظم ہونی شروع ہو گئی تھی- ہندوستان میں ایک طرف انڈین نیشنل کانگریس کی متحدہ قومیت کی اور دوسری طرف مسلم قومیت کی تحریک تھی جس کو آل انڈیا مسلم لیگ پروان چڑھا رہی تھی- اس زمانہ میں علماء ہند دو واضح ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے-

علماء کا ایک گروہ وہ تھا جو جمعیت العلمائے ہند میں شریک تھا اور یہ گروہ کانگرس کے نقطہ نظر کی حمایت کرتا تھا اور ان حضرات کا خیال تھا کہ انڈین نیشنل کانگرس کو تقویت پہنچا کر انگریزوں کو ہندوستان کے تسلط سے آزاد کروایا جا سکتا ہے- اس گروہ میں تمام مکتبہ ہائے فکر کے علما شامل تھے-

دوسرے قسم کے علماء وہ تھے جو آل انڈیا مسلم لیگ کے حامی تھے اور تحریک پاکستان کو تقویت پہنچا رہے تھے ان حضرات میں نمایاں شخصیات مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور عبداللہ روپڑی وغیرہ کی تھیں- لیکن ان تمام علماء ہند کی روش سے ہٹ کر مولانا سید ابو الاعلی مودودی نے ایک نئی طرز فکر کی دعوت دی جو اپنے اندر دینی کشش رکھتی تھی-

مولانا مودودی اپنے عہد کے علماء میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے، وہ نہایت دور اندیش، صاحب علم، ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے ان کا سیاسی مطالعہ نہایت عمیق تھا اور وہ ہندوستان میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کو بھانپ چکے تھے- جہاں وہ ایک طرف اپنے لئے معاشی استحکام کی تگ و دو میں سرگرداں تھے وہاں دوسری طرف سیاسی میدان میں امامت کے بھی متمنی تھے-

ان کی دوررس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ آنے والا سیاسی طوفاں روایتی اور قدامت پسند علماء کو اپنی رو میں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لیجائے گا- لہٰذا اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے مولانا مودودی نے ایک جماعت کی تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جس میں مخلص، صاحب ایمان، سچے، پرجوش اور باعمل مسلمان ہوں جو مسلم عوام میں جائیں اور ان کے اندر بیداری پیدا کریں اور ساتھ ہی ساتھ اہل علم کی ایک جماعت تیار کی جائے جو مولانا مودودی کے فکر کو عام کرے اور دعوت حق دے- اپنے ان خیالات کا اظہار مولانا نے چودھری نیاز علی کے نام اپنے خط میں صاف اور غیر مبہم انداز میں تحریر فرمایا ہے- مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> "آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ سال سے رسالہ ترجمان القرآن شائع کر رہا ہوں- اس رسالہ کی اشاعت محض اس غرض سے نہ تھی کہ میں ایک رسالہ نکالنا چاہتا تھا بلکہ دراصل کامل ۱۵ سال

تک مسلمانوں کی قومی زندگی سے متعلق رہنے اور ذاتی تجربات و مشاہدات کے ساتھ ساتھ مطالعہ اور غور و خوض کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ مسلمانوں کی قومی طاقت کا گرنا اور پیہم روبہ زوال ہونا براہ راست نتیجہ ہے اپنی تہذیب کی اصل بنیاد سے ہٹ جانے کا اور اب ان کی اصلاح حال کے لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ ان کی اجتماعی زندگی کو فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے اسی اصلی بنیاد پر قائم کرنے کی کوشش کی جائے اس غرض کے لئے میں اس قسم کا ایک ادارہ قائم کرنا چاہتا تھا جس کا خاکہ میں ابھی آپ کے سامنے پیش کرنے والا ہوں لیکن ایسے ادارہ کو قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ سب سے پہلے میں وہ خیالات لوگوں میں پھیلاؤں جو میرے قلب و دماغ میں مرتکز ہو رہے ہیں اور جب ایک مدت تک وہ پھیلتے رہیں اور ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جن کا تخیل اور نصب العین میرے تخیل اور نصب العین سے متحد ہو تو پھر ان کو ایک مرکز کی طرف دعوت دی جائے اور اس نظام کو وجود میں لایا جائے جیسے میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔ [۴]

مولانا مودودی نے اپنے ان اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک سکہ بند منصوبہ بندی کی' خدا نے انہیں فکر و نظر کی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا' وہ منطقی انسان تھے۔ اپنے زور قلم سے جادو جگا سکتے تھے' لہٰذا ان کی تحریریں ایک دیئی حلقہ میں محدود دائرے میں مقبول ہونی شروع ہو گئی۔ لہٰذا جب چودھری نیاز علی نے ۱۹۳۷ء میں ان کو پیشکش کی کہ وہ اپنا مورچہ پنجاب میں آ کر سنبھالیں تو انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس دعوت کو قبول فرمایا اور حیدر آباد سے پٹھانکوٹ تشریف لے آئے۔ اس وقت مسلمانان ہند منتشر اور متفرق تھے۔ ان کی بے شمار ٹکڑیاں مختلف راستوں پر بھاگتی چلی جا رہی تھیں۔ مولانا مودودی وقت کے بڑے نباض تھے اور حالات اور واقعات کی تیز رفتاری ان کو مجبور کر رہی تھی کہ جلد از جلد کوئی تدبیر روبہ عمل لائی جائے۔ اپنے ایک خط میں چودھری نیاز علی کو لکھتے ہیں

"اگر اندازہ لگاؤں تو کہہ سکتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ دس سال یہ حالت قائم رہی تو میدان کلی طور پر آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور وہ قوم ہی باقی نہ رہے گی جس کو سنبھالنے کے لئے آپ بیٹھے ہوئے درس قرآن دیا کریں گے۔ آخرکار شدید غور و فکر کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا کہ خواہ میری مشکلات کتنی ہی بڑھ جائیں اور مجھ پر ذمہ داریوں کا بوجھ کتنا ہی ناقابل تحمل ہو جائے بہرحال مجھ کو سیاسی جدوجہد اور قومی تعمیر کے دونوں کام ساتھ ساتھ کرنے چاہئیں تاکہ میدان جو تیزی کے ساتھ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے' سیاسی جدوجہد سے اس کو بچایا جائے اور پھر جتنا

میدان ہاتھ آئے اس کو قابو میں رکھنے کے لئے تعمیری کام کے ذریعہ سے قوم کو تیار کیا جاتا رہے- میں اس فیصلہ پر اس لئے بھی مجبور تھا کہ جب میں نے اپنے سیاسی مضامین کے ذریعہ قوم میں ایک آگ بھڑکا دی اور اس کو کانگرس اور لیگ کے درمیان ایک دوسرا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرا دی تو اس کے ساتھ مجھ پر یہ اخلاقی فرض عائد ہو گیا کہ میں ہی وہ دوسرا راستہ بنا کر بھی دکھاؤں اور اس پر چلا کر عملاً ثابت کر دوں کہ یہی نجات کا راستہ ہے-"[۵]

اس طرح مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی سیاسی جدوجہد کو کلی طور پر مذہبی رکھا اور اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اپنی مذہبی جماعت کی داغ بیل ڈالی جس کا نصب العین مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا-

"جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصود دنیا میں حکومت الہیہ اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے-"[۶] جماعت اسلامی کی بنیاد ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء میں شہر لاہور میں ڈالی گئی-[۷] یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عام مسلمان مسلم لیگ کی طرف لپک رہے تھے اور کانگرس سے بد ظنی عام ہو چکی تھی- جماعت اسلامی نے مسلم لیگ کی قیادت کو دین کے پیمانے میں تول کر ان پر بددینی کا الزام لگایا- جدید تصورات کو جس کے تحت آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی اسلام کے خلاف ایک کھلی بغاوت قرار دیا- مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں "مسلم قومیت" اور "متحدہ قومیت" کو غلط اور غیر اسلامی تصور قرار دیا- جمہوریت کے تصور کو بھی قرآن پاک کی آیات سے رد کیا- مولانا کے نزدیک جمہوریت کا نظام باطل تھا جس میں عوام کی اکثریت فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے- قرآن پاک کی ایک آیت پاک کو دلیل بنایا کہ طیب اور خبیث برابر نہیں ہو سکتے چاہے خبیث کی کثرت تم کو پسند آ جائے-[۸]

غرضیکہ مولانا مودودی کے سامنے اس وقت جو مسئلہ تھا احیاء دین کا تھا، "صحیح مسلمان اور اصلی مسلمان ہونے کا تھا-" انسان کی دنیوی فلاح اور آخروی نجات کس چیز میں ہے- پھر اس مسئلہ کا ایک ہی حل اس جماعت کے پاس ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام بندگان خدا (جن میں ہندوستان کے مسلمان بھی شامل ہیں) صحیح معنوں میں خدا کی بندگی اختیار کریں اور اپنی پوری انفرادی اجتماعی زندگی کو اس کے سارے پہلوؤں سمیت ان اصولوں کی پیروی میں سپرد کر دیں جو خدا کی کتاب اور اس کی سنت میں پائے جاتے ہیں، ہمیں اس مسئلہ اور اس کے اس واحد

حل کے سوا دنیا کی کسی دوسری چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"[۹] جہاں تک عام مسلمان کا تعلق تھا اس کے بارے میں مولانا نے لکھ دیا "یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں اور نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔"[۱۰] مولانا نے اپنے دینی جذبہ کے تحت واضح طور پر کہہ دیا اور تحریر کر دیا کہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں مسلمانوں کی حکومت کہاں بنتی ہے اور کہاں نہیں۔ ہم اس نام نہاد مسلم حکومت کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر کیوں کریں جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہو گی بلکہ کچھ زیادہ ہی سد راہ ہو گی۔"[۱۱]

مولانا کی ساری توجہ کا مرکز حکومت الہیہ ☆ کا قیام کا تھا اور جس کا واحد راستہ قطعی طور پر قرآن اور سنت پر چل کر اسلامی انقلاب تھا۔ جس کے لئے انہیں تقویٰ میں ڈوبے ہوئے افراد کی ضرورت تھی جن کا جینا اور مرنا صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کے لئے تھا۔ ان کو ایسے مسلمان چاہئے تھے جو خوشنودی خدا اور رسول کے لئے تن، من اور دھن کی بازی لگا کر میدان کارزار میں کود پڑیں۔ سعید ملک انہیں لوگوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک میں شمولیت کی اور میدان کارزار میں اتر گئے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی سعید ملک اسی جوش اور جذبہ سے جماعت کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ یوں تو جماعت اسلامی کی فکری اساس قطعی طور پر مولانا مودودی کی مرہون منت تھی تاہم جماعت کو دفتری متوسط حلقے میں مقبول کرانے میں روزنامہ "تسنیم" کو بڑا دخل ہے جو سعید ملک کی ادارت میں شائع ہو رہا تھا۔ وہ نہ صرف ایک اعلیٰ پائے کے صحافی تھے بلکہ بیدار مغز نقاد بھی تھے۔ بحیثیت ایک روزنامہ کے ایڈیٹر ہونے کے وہ مولانا مودودی کے مزاج اور جماعت کی پالیسی کو بخوبی سمجھتے تھے۔ ایڈیٹر ہونے کے ناطے سے وہ مولانا مودودی کے ذہن کے بڑے قریب تھے اور اسی قربت نے ان کو مولانا مودودی کے اندر کے انسان کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ وہ مولانا مودودی کی خوبیوں اور خامیوں کو بہت نزدیک سے پرکھ رہے تھے جہاں تک بہت کم لوگوں کی رسائی تھی۔ انہوں نے جماعت اسلامی سے اپنی وابستگی کے دوران ہمیشہ دینی قدروں کو پروان چڑھانے اور آگے بڑھانے کی مخلصانہ کوششیں کیں اور جماعت کے ہر نازک مرحلے میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اینٹی قادیانی ایجی ٹیشن کے دوران ۱۹۵۳ء میں جب مولانا مودودی گرفتار ہوئے اور

مقدمہ چلا تو آٹھ ماہ تک عدالتی کارروائی کا سارا بوجھ سعید ملک اٹھائے ہوئے تھے۔ عدالت میں جماعت اسلامی کی نمائندگی سعید ملک صاحب کر رہے تھے۔ اس دوران وہ جماعت اسلامی پنجاب کے امیر بھی تھے' عدالتی تحقیقات کے دوران جب کبھی جسٹس منیر صاحب کوئی ایسا طنزیہ جملہ کستے جو جماعت یا مولانا کی ذات پر حملہ ہوتا تو اس کا بھرپور دفاع کرتے۔ وہ واحد شخص تھے جو مولانا سے قید تنہائی کے دوران کسی وقت بھی مل سکتے تھے' حکومت نے ان کو ملاقات کی خصوصی اجازت دی ہوئی تھی۔ انہیں مولانا کو قید سے چھڑانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔ اس سلسلہ میں سابق وزیراعظم چودھری محمد علی سے' خواجہ ناظم الدین سے اور دیگر بڑے ذمہ دار افسران سے ظاہرہ یا خفیہ ملاقاتیں کرتے۔ کبھی کراچی جاتے' کبھی لاہور آتے' کبھی ادھر جاتے کبھی ادھر جاتے' مولانا مودودی کی رہائی کے سلسلہ میں جو خدمات سعید ملک نے سرانجام دیں وہ تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے جس سے بہت کم لوگ آشنا ہیں۔ مولانا کی اسیری کے زمانہ میں ایک دفعہ سعید ملک خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں ملاقات ہوئی۔ سعید ملک نے درخواست کی مولانا کو جیل کی صعوبت سے رہائی دلائی جائے جس پر خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنی بے بسی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اب تو میری وزارت اعظمی بھی چلی گئی۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں' البتہ آپ چودھری محمد علی صاحب سے ملیں وہ ضرور آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔ مگر چودھری محمد علی اتنے محتاط اور اتنے ہوشیار تھے کہ اس زمانہ میں ٹیلیفون بھی نہیں سنتا گوارہ کرتے تھے حالانکہ مولانا سے ان کی دوستی دیرینہ تھی اور فکری رشتے بھی مضبوط تھے لیکن چودھری محمد علی بنیادی طور پر ایک دفتری انسان تھے۔ خوف اور ڈر ان کی گھٹی میں تھا۔ گو مولانا سے قبل از پاکستان کے تعلقات تھے مگر خطرات اور احتیاط کے پیش نظر فون پر کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ سعید ملک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کراچی میں چودھری محمد علی سے مولانا کی رہائی کے سلسلہ میں بات چیت ہوئی تو چودھری صاحب نے فرمایا کہ "رہنے دو ابھی وہیں۔ مولانا بہت سے فتنوں سے محفوظ ہیں۔"[۱۲] مولانا مودودی کی نظربندی کے دوران جماعت اسلامی کی فکری قیادت سعید ملک کے ہاتھوں میں آ گئی تھی اور وہ جماعت کو حقیقی اسلامی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ سعید ملک کی یہ دلی خواہش تھی کہ جماعت اسلامی اور اس کا ہر ایک رکن دین کی چلتی پھرتی تصویر ہو اور جماعت اس آلودگی سے پاک ہو جائے جو انتخابی سیاست میں کودنے کی وجہ سے جماعت کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی تھی۔ سعید ملک جماعت کی اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ جماعت معاشرہ کے اندر

اسلامی اقدار کو اپنے فکر و عمل کے ذریعہ روشناس کرائے۔ تاکہ عوام کی ذہنیت بدلے اور اجتماعی زندگی میں دینی روح پروان چڑھے لیکن انتخابی سیاست کے بکھیڑوں میں پڑ کر جماعت نے اپنی منزل کو فراموش کر دیا وہ سیاسی بھول بھلیوں میں پھنس گئی اور اپنے ان مقاصد کو پس پشت ڈال دیا ہے جن کے حصول کے لئے عہد و پیمان اپنے خداوند تعالیٰ سے باندھے گئے تھے۔ سعید ملک تنہا یہ سوچ نہیں رکھتے تھے' ان کے علاوہ جماعت کے اندر قابل قدر افراد کا ایک مختصر سا حلقہ تھا جس میں یہ احساس پروان چڑھ رہا تھا کہ پاکستان بن جانے کے بعد جماعت جس راہ پر چل پڑی تھی اس راہ میں بھٹکنے کے بڑے قوی امکانات تھے۔ جماعت نے ۱۹۵۱ء میں جب انتخابات☆ میں حصہ لینے کا اصولی فیصلہ کیا تو مولانا امین احسن اصلاحی نے اس فیصلہ کے خلاف اپنے خدشات اور خیالات کا اظہار کر دیا تھا کہ جماعت انتخابات میں حصہ نہ لے' جماعت اس پوزیشن میں نہیں ہے۔ مگر ان کی بات کو رد کر دیا گیا اور جب انتخابات کے نتائج برآمد ہوئے تو آبرو بھی گئی' اصول بھی برباد ہوئے اور ضمانتیں بھی ضبط ہوئیں۔[۱۳] سعید ملک بھی انہی خیالات کے حامل تھے۔ اب جبکہ جماعت اندرونی طور پر ایک خلفشار میں مبتلا تھی تو انہوں نے موقعہ کو غنیمت جان کر صورت حال کو بہتر بنانے کی جرات مندانہ کوشش کی۔ سعید ملک اپنے تجربات' اپنے مشاہدے اور اپنے غور و فکر سے اس رائے تک پہنچے کہ "مولانا مودودی نے اپنی ساری توانائیاں اور وسائل جس طرح ہنگامی سیاست کیلئے وقف کر دیئے ہیں اس سے ایک سچے اسلامی انقلاب کی راہ کھوٹی ہو گئی ہے اور جماعت اپنے اعلان کردہ نصب العین کے مطابق ایک حقیقی اسلامی معاشرہ برپا کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔"[۱۴] اس صورت حال کو بدلنے اور جماعت کا وقار بحال کرنے کے لئے سعید ملک نے مولانا مودودی کی عدم موجودگی میں جبکہ وہ قید میں تھے جماعت اسلامی کی زندگی میں "پہلی دفعہ پاکستان کی امریکی دفاعی معاہدوں میں شرکت پر تنقید کی اور ایک متوازن خارجہ پالیسی کی تشکیل کا مطالبہ کیا' اسی اجتماع میں پہلی دفعہ ملک کے سماجی و معاشی ڈھانچے پر کڑی تنقید کی گئی اور اسے اسلام کے عدل اجتماعی کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کا مطالبہ کیا گیا' یہ دونوں باتیں جماعت کے لئے نئی تھیں لیکن سعید ملک اپنے زور استدلال سے انہیں تسلیم کرانے میں کامیاب رہے.... مولانا مودودی نے اپنی رہائی کے بعد ان دونوں قراردادوں بالخصوص خارجہ پالیسی والی قرارداد کو عملاً معطل کر دیا۔"[۱۵]

مولانا مودودی اور سعید ملک کی سوچ میں یہ تصادم پہلا نہیں تھا۔ عرصہ دراز سے سعید ملک اپنے فکر کی

آگ میں دل ہی دل میں جل رہے تھے۔ ہر سیاسی جماعت میں جہاں مقتدیوں کی عظیم اکثریت ہوتی ہے وہاں ایک قلیل تعداد اہل نظر و فکر کی بھی ہوتی ہے جو کسی بھی جماعت کا ضروری اثاثہ ہوتا ہے اور اگر جماعت میں جمہوری روح کار فرما ہے تو پھر یہی قلیل گروہ باعث تقویت اور استحکام ہوتا ہے، سعید ملک جماعت کی اسی اقلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ سعید ملک چاہتے تھے کہ جماعت کے اندر جو نظریاتی، مالی اور انتظامی بد نظمی پھیل رہی تھی اس کا فوری سدباب ہو۔ وہ اپنے افتاد طبع اور پارٹی کے ضابطوں کے باعث مجبور تھے کہ وہ ان لوگوں کی نشاندہی کریں اور ان لوگوں کو ہدایت کریں جو ان کی نگاہ میں جماعت کی پراپرٹی کو یا جماعت کے نام کو اپنی ذاتی مفاد کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ وہ امانت داری اور ایمانداری کو ہر چیز پر مقدم جانتے تھے۔ جماعت میں کسی طرح کے اسراف کو وہ ناپسند کرتے تھے، جماعت اسلامی کی اسٹیشنری کا بے جا استعمال، دفتر کے پنکھوں کا بلاوجہ استعمال، جماعت کی گاڑی کا یا ٹیلیفون کا ذاتی استعمال، جماعت کے مالی کو فنڈ بے احتیاطی سے استعمال کرنا یا ذاتی فائدہ اٹھانا ان کو ہرگز پسند نہ تھا۔

۱۹۵۵ء کا سالانہ اجتماع تاریخی اجتماع تھا۔ جماعت کے دستور کے مطابق یہ قاعدہ تھا کہ ایسے موقعہ پر ارکان جماعت جو تمام پاکستان سے تشریف لاتے اپنے اپنے علاقوں، اپنے ارکان کی، اپنے علاقہ کے امیر کی یا جماعت کے امیر کی کوئی ستائش یا شکایت، کوئی اعتراض یا کوئی مشورہ یا مشکلات یا کسی رکن جماعت کا کسی رکن کے بارے میں کوئی گلہ شکوہ ہوتا تو پیش کیا جاتا۔ جماعت کی پالیسی اور جماعت کے ارکان کے بارے میں اگر کوئی شکایت وغیرہ ہوتی تو نوٹ کی صورت میں امیر جماعت کے سامنے پیش کی جاتی جو ایک طرح کا نوٹس ہوتا۔ اس موقعہ پر جناب سعید ملک نے ایک بڑے معتبر شخص کے بارے میں مالی خورد برد کے الزامات عائد کئے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جب ان کی شکایت پڑھی تو بڑے پریشان ہو گئے اور ان کا رنگ فق ہو گیا۔ "جناب نصراللہ خاں عزیز بڑے رتبہ کے مالک تھے، مشہور تھے اور مولانا مودودی سے تعلقات بھی بہت تھے"[۱۶] مسئلہ بڑا نازک تھا اور مجمع عام تھا۔

سعید ملک کے علاوہ بھی بہت سے ارکان نے اعتراضات اور متبادل تجاویز و مشورے پیش کئے جو جماعت کی پالیسی اور نظام سے متعلق جماعت کے اراکین کی جانب سے موصول ہوئے تھے اور جن پر معتمنین اور مجوزین حضرات اجتماع ارکان میں بحث کرنا چاہتے تھے۔ خدشہ یہ تھا کہ اگر ایسے نزاعی مسائل کو مرکزی مجلس شوریٰ کے اجتماع میں چھیڑنے کی اجازت دے دی گئی تو ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ یہ فیصلہ کیا کہ ان اعتراضات پر

غور کرنے کے لئے ایک جائزہ کمیٹی کی تشکیل کی جائے جس کے سپرد یہ خدمت ہو کہ وہ تمام پاکستان کا دورہ کر کے جماعت کے عمومی حالات کا جائزہ لے اور ارکان جماعت سے فرداً فرداً رابطہ قائم کر کے ان کی بے چینی کے اسباب معلوم کرے اور جو تجاویز ان کے ذہنوں میں ہوں ان کو مرتب کر کے ایک جامع رپورٹ مرکزی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کرے۔[۱۷]

ابتدا میں جائزہ کمیٹی میں آٹھ ارکان نامزد کئے گئے جن کے اسما گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا عبدالرحیم اشرف

۲۔ مولانا حکیم شیخ سلطان احمد

۳۔ مولانا عبدالجبار غازی

۴۔ مولانا اجمل خاں لغاری

۵۔ مولانا عبدالرحیم مشرقی پاکستان امیر جماعت اسلامی

۶۔ سعید ملک صاحب

۷۔ باقر خاں ملتان

۸۔ مولانا عبدالغفار حسن

جائزہ کمیٹی کے جنم کے ساتھ ہی جائزہ کمیٹی کی مخالفت شروع ہو گئی کیونکہ ایک طرف پردہ پوشی اور چشم پوشی کی کوشش تھی دوسری طرف انصاف کے حصول کی کوشش تھی' ایک طرف الزامات کی یلغار تھی دوسری طرف دفاعی روش تھی غرضیکہ جماعت کے عمائدین دو واضح گروہ میں تقسیم ہو گئے' ایک گروہ دینی قدروں کا متلاشی اور حامی دوسرا گروہ دنیوی جاہ طلبی کا گرویدہ اور سرگرداں جماعت کی بیوروکریسی مرکز میں سعید ملک صاحب کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی' پروپیگنڈہ ہونے لگا کہ جائزہ کمیٹی لوگوں سے اپنی پسند کی باتیں اگلوانا چاہتی ہے' جائزہ کمیٹی ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی اس کو چند ماہ کے اندر تحلیل کر دیا گیا اور مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ آٹھ ارکان کو گھٹا کر جائزہ کمیٹی کی تعداد چار افراد تک محدود کر دی جائے ان ارکان میں سعید ملک نہیں تھے۔ نئی کمیٹی میں مندرجہ ذیل بزرگ تھے۔

۱۔ کنوینر حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب

۲۔ حکیم شیخ سلطان احمد صاحب

۳- غازی عبدالجبار صاحب

۴- مولانا عبدالغفار حسن صاحب

اس کمیٹی نے تقریباً آٹھ ماہ تک پورے پاکستان کا دورہ کیا' دو سو اراکین نے تحریری طور پر یا زبانی کمیٹی کے سامنے اپنے مافی الضمیر کو پیش کیا- بغیر کسی خوف و خطر' دھمکی یا لالچ یا دھونس کے' اپنے سامنے خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی رکھ کر اپنے اپنے خیالات اور اپنے اپنے اعتراضات جماعت کے بارے میں' جماعت کے امیر کے بارے میں' جماعت کی حکمت عملی کے بارے میں' اراکین جماعت کے رویوں کے بارے میں سب کچھ کہہ دیا یا لکھ دیا-

مرکزی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۵ تا ۱۸ مارچ ۱۹۵۶ء نے جائزہ کمیٹی کے متعلق حسب ذیل قرارداد منظور کی-

۱- جماعت کی پالیسی' نظم اور حالات کے متعلق جو اعتراضات' شکایات اور تجاویز سالانہ اجتماع کے موقعہ پر موصول ہوئی تھیں ان کے بھیجنے والوں سے گفتگو کر کے یہ تحقیق کریں کہ ان شکایات کی بنیاد کیا ہے اور وہ اصلاح کے لئے ایجابی صورت میں کیا تجاویز پیش کرتے ہیں-

۲- جماعت کے ارکان میں اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس پالیسی' طریق کار اور حالات کے بارے میں کچھ تبدیلی چاہتے ہیں تو ان سے تحقیق کریں کہ وہ کیا تبدیلی چاہتے ہیں-[۱۸]

کمیٹی کے اندر جو محترم شخصیات تھیں ان کی خدمات تاریخ جماعت اسلامی کا روشن باب ہیں' یہ بزرگ مولانا مودودی صاحب کی نظر میں محترم ترین تھے اور مولانا مودودی کی عدم موجودگی میں یہ حضرات جماعت اسلامی پاکستان کی امارت کا بوجھ بھی اٹھاتے تھے' ان بزرگوں کی ذات کسی شک و شبہ سے بالا تھی- اسی زمانہ میں جب یہ کمیٹی ارکان جماعت سے ملاقاتیں کر رہی تھی اور ان کے تاثرات اور آراء کو اکٹھا کر رہی تھی تو مولانا مودودی صاحب سعودی عرب تشریف لے گئے ان کی عدم موجودگی میں مولانا عبدالغفار حسن صاحب امیر جماعت اسلامی کے فرائض سرانجام دینے لگے' اپنی اس ذمہ داری کے پیش نظر وہ دیگر تین ارکان کے ہمراہ تحقیقات کے لئے نہ جا سکے اور مرکز میں مقیم رہے البتہ دو مقامات پر وہ تشریف لے گئے- غرض کے جائزہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کر کے مرکزی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کر دی- یہ رپورٹ مجلس شوریٰ کے طویل ترین اجلاس میں پندرہ دنوں تک زیر بحث رہی جو کہ نومبر دسمبر ۱۹۵۶ء میں منعقد ہوا- اس

مجلس شوریٰ کے اجلاس میں جماعت اسلامی دو متقابل اور متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس زمانہ میں مجلس شوریٰ میں ۲۰ ارکان ہوتے تھے۔ یہ بات قابل غور و فکر ہے کہ رپورٹ جو کہ پیش کی گئی تھی اس میں اراکین جائزہ کمیٹی نے کوئی زیر و زبر اپنی طرف سے پیش نہیں کیا تھا۔ جماعت اسلامی کے جو محترم اراکین تھے جنہوں نے اپنی رائے لکھ کر یا زبانی کمیٹی کے سامنے دی تھی وہ مواد شوریٰ کے سامنے زیر بحث تھا۔ اس تمام ادھیڑ بن میں اراکین جائزہ کمیٹی نے دفاعی موقف اختیار کیا اور کھل کر ہر اعتراض پر بحث مباحثہ ہوا' مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی شخصیات بھی زیر بحث آئیں' جماعت کے مالیاتی معاملات' نظریاتی اور دستوری بحثیں' انتظامی امور' شکایت' دلوں میں چھپے ہوئے ارماں اور ٹوٹی ہوئی شکستہ امیدیں' توقعات کی یلغار اور غیر متوقع ردیوں نے ایک اجنبیت' ایک کشمکش اقتدار کی رسہ کشی اور سازشوں کے الزامات اور ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں کی بوچھاڑ نے مجلس شوریٰ میں حشر برپا کر دیا۔ یہ رپورٹ بڑی دیانتداری سے تیار کی گئی تھی۔ اس رپورٹ کو مرتب کرنے والے وہ بزرگ حضرات تھے جنہوں نے جماعت اسلامی کی خدمت اور سربلندی کے لئے اپنا تن' من اور دھن قربان کر دیا تھا۔

مجلس شوریٰ کے پندرہ دنوں کے اس طویل ترین تاریخی اجلاس میں زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی صدارت میں جو کچھ کہا گیا یا پڑھا گیا وہ جماعت کی تاریخ کا نازک ترین باب ہے۔ معترضین نے کوئی کسر نہیں چھوڑی حقائق کو بے نقاب کرنے کے لئے۔ مولانا مودودی نے بڑے حوصلے اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔ بڑی تلخ اور ناخوشگوار باتیں بڑے تحمل اور اطمینان سے سنیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرف کی ۹ گھنٹے کی تقریر میں بڑے نازک مرحلے بھی آئے' انقلابی جماعت سے انتخابی جماعت بننے تک جو جو حادثات رونما ہوئے ان کو بیان کیا' کہاں کہاں ٹھوکریں جماعت نے کھائیں اور کہاں کہاں مولانا مودودی نے اپنے موقف بدلے' سالہا سال کی رفاقت ایک خواب پریشاں نظر آنے لگا۔ تقریروں میں نیتوں پر' دیانتوں پر اور امانتوں پر حملے ہوئے۔ مولانا مودودی کی موجودگی میں دلیلوں اور تحریری ثبوتوں سے ایسی تصویر کشی کی گئی جو بڑی بھیانک نظر آتی ہے جس کے بارے میں خود ایک خط میں مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر فی الواقع میری باتوں کے مفہوم وہی کچھ ہوں تو شاید جماعت اسلامی کے ارکان ہی میں نہیں' متفقین و متاثرین میں بھی مجھ سے بڑھ کر خبیث آدمی کوئی نہیں ہو سکتا۔"[۱۹۲]

حکیم عبدالرحیم اشرف کا یہ موقف تھا کہ جماعت اسلامی نے اپنے پہلے موقف سے انحراف کیا ہے اور

اپنی پٹڑی سے اتر گئی ہے' لہٰذا یہ سوچنا چاہئے' پیچھے مڑنا چاہئے- مولانا عبدالرحیم اشرف نے مولانا مودودی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے لکھا ہے کہ اسلامی انقلاب کی واحد سبیل' واحد سبیل' واحد سبیل' تین دفعہ کہا' یہ سن کر مولانا مودودی غصہ میں آکر بولے' "اب کون کہتا ہے دو راستے یا تین راستے ہیں-" اب بھی وہی کہتا ہوں جو پہلے کہا ہے- اس پر حکیم صاحب نے کہا دیکھئے "ترجمان القرآن" میں فلاں صفحہ پر آپ نے سن ۱۹۵۱ء میں لکھا ہے کہ تبدیلی کے دو راستے ہیں' دو راستے ہیں- حوالہ دیکھ کر مولانا مودودی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے' پوری مجلس شوریٰ پر ایک سناٹا چھا گیا-[۲۰] مولانا مودودی کے پاس اپنی ہی تحریروں کا کوئی جواب نہ تھا نہ تاویل تھی' وہ اپنی تحریروں کے خود ہی اسیر تھے- ان تحریروں سے وابستہ جو جو توقعات ارکان کئے ہوئے تھے وہ سب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکیں- جائزہ کمیٹی کے چاروں مقتدر ارکان اس بات پر اتفاق کرتے تھے کہ حکومت الہیہ کے قیام کا جو تصور تھا وہ سیاسی میدان میں کود جانے کی وجہ سے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور اب جماعت حکومت الہیہ سے ہٹ کر پاکستان کے اقتدار پر نظریں جما رہی ہے جس کی وجہ سے جماعت کے اندر دینی قوتیں کمزور اور دنیوی قوتیں مضبوط ہو گئی ہیں اور اس تصور نے جماعت کے اندر تقویٰ' سچائی' نیکی اور اخلاقی اقدار کو گھن لگا دیا ہے اور جس طرح ایک عام سیاسی جماعت میں ہیرا پھیری' بدعہدی' لین دین' سودے بازی' سازشیں اور جھوٹ چلتا ہے اسی طرح جماعت میں بھی یہ چیزیں داخل ہو گئی ہیں' لہٰذا ہمیں واپس پلٹ جانا چاہئے اور پھر اسی کو پکڑ لینا چاہئے جو نجات کا راستہ ہے- مولانا مودودی نے سیاست کو مذہب پر غالب کر دیا اقتدار کے حصول کے لئے' "اسلام کو سیاسی دین بنا دیا حالانکہ اسلام میں دینی سیاست ہے اسلام سیاسی دین نہیں-"[۲۰]

اسی مجلس شوریٰ میں مولانا عبدالغفار حسن نے تقریباً دو گھنٹے تقریر کی- مولانا مودودی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے گھر کے قریب مسجد ہے مگر آپ اس میں نماز پڑھنے نہیں آتے- مولانا مودودی نے جواب دیا کہ میری پسلی میں تکلیف ہے میں چل نہیں سکتا- اس پر مولانا عبدالغفار حسن بولے کہ آپ ماڈل ٹاؤن گئے ہوئے تھے ٹہلنے کے لئے وہاں کیسے جاتے ہیں' باقاعدگی سے ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں- یہ بات مولانا مودودی صاحب کو ناگوار گزری- فرمایا دو چار دن گیا تھا مجھے ٹہلنا راس نہیں آیا- غرضیکہ اس طرح چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہوتے رہے- مولانا عبدالجبار غازی نے فرمایا کہ آپ نے تقریر کی تھی جس میں فرمایا تھا کہ یہ درس گاہیں قتل گاہیں ہیں- ہم نے اپنے بچوں کو ان مغربی درسگاہوں سے اٹھا لیا- پاکستان بننے

کے بعد درسگاہیں وہی ہیں' ماحول وہی ہے۔ ان کالجوں میں آپ کے لڑکے ہی نہیں بلکہ لڑکیاں بھی پڑھ رہی ہیں۔ آپ کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس پر مولانا مودودی ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں اپنی اولاد کے لئے ظالم باپ نہیں بننا چاہتا۔ عبدالجبار غازی صاحب نے کہا کہ یہ ہم ہی تھے جو ظالم باپ بن گئے' اپنے لڑکوں کو کالجوں سے اٹھالیا یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے' ان پر غشی کا عالم طاری ہو گیا' مجلس شوریٰ پر سکتہ سا طاری ہو گیا' ہر شخص افسوس اور ملال میں مبتلا نظر آتا تھا۔[۲۱]

جائزہ کمیٹی نے رپورٹ پر کوئی حاشیہ آرائی یا اضافہ یا کمی نہیں کی تھی جو کچھ ارکان نے لکھ کر یا بیان دے کر کہا تھا وہ سب کچھ جائزہ کمیٹی رپورٹ میں موجود تھا۔ اس میں سعید ملک کا بیان بھی قلمبند تھا اور ان کی شکایات کی رپورٹ بھی تھی جو بڑی ضخیم رپورٹ تھی جس پر خیانت اور غبن کے واقعات اور متعلقہ افراد کا ذکر تھا' انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں شواہد پیش کئے تھے اور ان کا موقف یہ تھا کہ مالیات کے معاملات میں جماعت کے ارکان وہ تقدس اور امانت برقرار نہیں رکھ سکے جو کہ رکھنی چاہئے تھی' معاملات میں خیانت پائی جاتی ہے۔ وہ تقویٰ اور وہ نیکی جس بنیاد پر جماعت قائم ہوئی تھی اب وہ بات نہیں رہی۔ اخلاقی لحاظ سے بھی جماعت پستی کی طرف مائل ہے۔ الیکشن میں حصہ لینے کے بعد جماعت کی ساکھ' جماعت کی شہرت اور اس کا تقویٰ سب کا سب بگڑ گیا۔ موجودہ سیاست میں پڑ کر ریاکاری' منافقت' مکر و فریب' جھوٹ' لین دین' سازشیں کسی بھی جماعت کا طرہ امتیاز بن جاتی ہیں' لہٰذا جماعت کی ساکھ کو بحال کرنے کے لئے ہمیں پھر اسی نقطہ پر واپس جانا ہو گا جہاں سے آغاز کیا تھا۔[۲۲]

شوریٰ کمیٹی کے اجلاس میں جماعت واضح طور پر دو متحارب گروہ میں بٹ گئی' ایک طرف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے حمایتی تھے اور دوسری طرف معترضین تھے۔ جماعت کے مرکزی ملازمین نصراللہ خاں عزیز' مولانا نعیم صدیقی' مولانا طفیل' فقیر حسین گیلانی' صفدر حسن صدیقی' گیلانی برادران وغیرہ ایک طرف تھے دوسری طرف جائزہ کمیٹی کے ارکان اور روزنامہ تسنیم کا عملہ تھا۔ مولانا مودودی صاحب کے حامیوں کو مریدوں اور خوشامدی مصاحبوں کا گروہ کہا گیا' ادھر مخالفین کو سازشی' جاہ پرست اور اقتدار کی ہوس رکھنے والے کہا گیا۔ البتہ مرکز سے وابستہ لوگوں نے جماعت کے ارکان میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان نے مولانا مودودی صاحب کو زچ کیا اور اپنا موقف منوانے کے لئے ایسی تقریریں کیں جس سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی پریشان ہو گئے۔ مولانا کو تنگ کیا گیا' تکلیف دی گئی اور ان حضرات کو سعید ملک کا حمایتی کہا

گیا- جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کو مولانا مودودی کے خلاف ایک سازش قرار دیا گیا- غرضیکہ مجلس شوریٰ کے اس طوفان خیز اجلاس میں تین آراء نمایاں طور پر ابھریں-

ایک رائے تو یہ تھی کہ جماعت اسلامی نے سیاست میں قبل از وقت حصہ لیا-

دوسری رائے یہ تھی کہ جماعت پر سیاسی رنگ غالب آگیا ہے اور دینی رنگ پھیکا پڑ گیا ہے-

تیسری رائے یہ تھی کہ جماعت کی قیادت نے کلی طور پر انحراف کیا ہے اور اپنے موقف سے ہٹ گئی ہے-

بڑے بحث و مباحثہ کے بعد جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کو شوریٰ نے اپنی سفارشات کے ساتھ منظور کر لیا- ارکان کمیٹی کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اتنی محنت اور لگن، خلوص اور ایمانداری سے اس رپورٹ کو مرتب کیا تھا- کہا گیا رپورٹ اچھی ہے اور عمدہ ہے- لیکن شوریٰ کے بعد مولانا نے اس رپورٹ کو اپنے خلاف ایک سازش قرار دیا- شوریٰ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور ارکان جائزہ کمیٹی کے خلاف ایک تاریخی خط کے ذریعہ تین الزامات عائد کئے گئے

۱- پہلا الزام یہ تھا کہ آپ حضرات نے نادانستہ سازش کی جس کا نتیجہ وہی نکلا جو ایک دانستہ سازش کا ہوتا ہے-

۲- دوسرا الزام ارکان جائزہ کمیٹی پر گروہ بندی کا تھا-

۳- تیسرا الزام ہوس اقتدار

حکم نامہ میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا تھا کہ ایک ماہ کے اندر اگر متذکرہ حضرات مرکزی مجلس شوریٰ سے مستعفی نہ ہوئے تو پھر میں آپ کے حلقوں میں جا کر جہاں سے آپ منتخب ہو کر آئے ہیں وہاں کے اراکین سے کہوں گا کہ اگر مجھ کو جماعت کا امیر رکھنا ہے تو پھر ان حضرات کو واپس لے لیں-[۲۲]

ایک طرف مولانا مودودی جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف تادیبی کارروائی فرما رہے تھے تو دوسری طرف سعید ملک کے خلاف ایک عدالت قائم کی گئی تاکہ ان کے خلاف دستور کی خلاف ورزی کرنے کے الزام کے بارے میں تحقیقات کر کے فیصلہ دے- اس عدالت کے تین رکن تھے جن کے اسماء گرامی ہیں-

۱- چودھری غلام محمد

۲- باقر خاں صاحب

۳۔ مولانا عبدالغفار حسن

ابھی یہ حضرات سعید ملک سے راولپنڈی میں ان کا بیان ہی لے رہے تھے اور صحیح معنوں میں تفتیش کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ فون آگیا جس میں امیر حلقہ پنڈی نے سعید ملک کی جماعت سے رکنیت معطل کر دی، جس پر سعید ملک نے کہا کہ اب اس تفتیش کی کیا ضرورت باقی ہے۔ سزا پہلے مل گئی تحقیق بعد میں ہو گی۔ میرا جرم ثابت بھی نہیں ہوا سزا پہلے دے دی، فیصلہ بعد میں ہوا۔ ایسی کاروائی کا کیا فائدہ اس کے بعد انہوں نے جا کر پریس کانفرنس طلب کی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت پر سنگین الزامات عائد کئے۔ ۶ جنوری ۱۹۵۷ء کے نوائے وقت لاہور میں سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی۔

"سابق امیر جماعت اسلامی پنجاب سعید ملک جماعت سے مستعفی ہو گئے مولانا مودودی پر فسطائیت اور عوامی سرمایہ کے ناجائز استعمال کا الزام۔

لاہور ۵ جنوری جماعت اسلامی پنجاب کے سابق ایڈیٹر مسٹر سعید ملک نے جماعت اسلامی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا ہے انہوں نے جماعت اسلامی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی پر فسطائیت اور عوام کے روپیہ کو بے جا استعمال کرنے کے الزام عائد کئے ہیں۔

آج لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے امیر جماعت کے نام وہ خط پڑھ کر سنایا جس میں ان کے استعفیٰ کی وجوہات بیان کی گئی ہیں ملک صاحب نے اپنے خط میں کہا ہے کہ جماعتی معاملات کی انجام دہی میں امیر جماعت ازروئے دستور و روایات مرکزی شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہے لیکن مولانا مودودی نے ہمیشہ مرکزی شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کی ہے اور ارکان کے احتجاج کے باوجود اپنی اس روش پر قائم رہ کر فسطائیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے کشمیر کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجلس شوریٰ نے مجاہدین کو مکمل امداد دینے کا فیصلہ دیا تھا لیکن امیر جماعت نے اسے ٹھکرا دیا جس سے جماعت سخت ابتلا میں پڑ گئی۔ ملک صاحب نے الزام عائد کیا کہ مجاہدین کی امداد کے لئے جو رقم جمع کی گئی تھی اسے ان تک نہیں پہنچایا گیا اور اس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئی؟ ملک صاحب نے مولانا مودودی پر جماعت کے دستور کے خلاف ورزی کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ ہر رکن جماعت کو عام اجلاس میں تنقید اور اعتراض کا پورا حق حاصل ہے لیکن مولانا مودودی نے نومبر ۱۹۵۵ء میں کراچی میں منعقدہ سالانہ اجلاس میں ارکان کو تجاویز و شکایات پیش کرنے سے روک کر انہیں اپنے دستوری حق سے محروم کر دیا حالانکہ مولانا مودودی

حکومت سے تنقید و محاسبے کا جو حق مانگتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں- ملک صاحب نے امیر جماعت کے فسطائی ہتھکنڈوں کی طویل فہرست پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس کی تازہ مثال اس جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کا حشر ہے جو ارکان میں عام بڑھتی ہوئی بے چینی کے پیش نظر تشکیل دی گئی تھی- کمیٹی کی ناپسندیدہ رپورٹ موصول ہونے پر امیر جماعت نے اس کے ارکان پر سازش کا الزام لگایا اور اب اس رپورٹ کے بارے میں شدید اخفاء سے کام لیا جا رہا ہے-

ملک صاحب نے اپنے خط میں کہا ہے کہ جماعتی لٹریچر میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اسلامی تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے پہلے عوام میں اسلامی اصولوں کے صحیح شعور پیدا کیا جائے گا لیکن جماعت سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے پیش از وقت سیاسی ہنگاموں میں الجھ گئی ہے جس سے اس کے نزدیک اسلامی نظام کے قیام کی حیثیت نعرے سے زیادہ نہیں رہی ہے ملک صاحب نے اپنے طویل خط کے آخر میں لکھا ہے کہ امیر جماعت نے اصلاح حال کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں- میں نے گذشتہ پانچ چھ سال میں ہر طریقے سے یہ کوشش کی ہے کہ وہ دستور کی پابندی کریں اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے بچ کر اسلام کی صحیح خدمت کریں لیکن میں بری طرح ناکام رہا ہوں اور امیر جماعت نے میری تمام کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا ہے چنانچہ مجبوراً مجھے جماعت سے استعفیٰ دینا پڑ رہا ہے- یاد رہے کہ سعید ملک کا شمار جماعت اسلامی کے انتہائی بااثر ارکان میں ہوتا ہے وہ جماعت کے اعلیٰ پر فائز رہے ہیں-"[۲۳]

ایک طرف سعید ملک صاحب کا مسئلہ تھا دوسری طرف مولانا مودودی نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں ارکان جائزہ کمیٹی کو ایک ماہ کے اندر اندر مرکزی شوریٰ سے مستعفی ہونے کی ہدایت کی گئی-

جونہی ارکان جائزہ کمیٹی کو مولانا مودودی کا خط ملا تو وہ سکتے میں آ گئے، عمر بھر کی دینی خدمات کا صلہ یہ ملا- مولانا عبدالغفار حسن تو روتے روتے نڈھال ہو گئے، حالت غیر ہو گئی اپنے آپ کو سنبھالا- سیدھے مولانا امین احسن اصلاحی کے پاس تشریف لے گئے- ابھی تک صرف دو حضرات کو مولانا مودودی کا یہ نوٹ ملا تھا دوسرے بزرگ مولانا عبدالرحیم اشرف تھے- اصلاحی صاحب نے کوشش کی کہ باقی حضرات کے خلاف کارروائی روک دی جائے اور صورت حال کو مزید بگڑنے نہ دیا جائے- لہٰذا مولانا مودودی کے نوٹ کے جواب میں مولانا امین احسن اصلاحی نے مولانا مودودی سے دو مرتبہ ملاقاتیں کیں ان کو مشورہ دیا کہ آپ باقی دو حضرات کے خلاف اپنی کاروائی روک دیں- مگر جب واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا باقی دونوں حضرات

یعنی حکیم شیخ سلطان احمد اور مولانا عبدالجبار غازی کے نام بھی مولانا مودودی کا حکم نامہ جا چکا ہے۔ اس پر اصلاحی صاحب نے ایک طویل خط مولانا مودودی کے الزامات کے جواب میں مولانا کے نام تحریر فرمایا جس میں ہر ہر لفظ اور ہر ہر اعتراض کا مسکت جواب تھا۔ جونہی مولانا اصلاحی صاحب کا خط مولانا مودودی کے نام پہنچا فوراً اس کو پڑھ کر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جماعت اسلامی کی امارت سے استعفیٰ دے دیا۔

اپنے خط میں یہ تحریر فرمایا کہ جیسے سابق امیر کے مرنے پر نیا امیر منتخب کیا جاتا ہے آپ اپنا امیر منتخب کر لیں اور یہ بھی تحریر کیا کہ وہ جماعت کا کوئی منصب حتیٰ کہ مجلس شوریٰ کی رکنیت بھی قبول نہیں کریں گے۔ استعفیٰ پر غور کرنے کے لئے مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ مولانا نے اپنے خط میں لکھا تھا۔

"۱۹۵۵ء میں میری رہائی کے بعد جب مجلس شوریٰ نے مجھے جماعت اسلامی کا امیر منتخب کرنا چاہا تھا میں نے یہ گذارش کی تھی کہ میں اب صرف ایک معمولی رکن جماعت کی حیثیت سے خدمت کرنا چاہتا ہوں' مجھ میں کوئی ذمہ داری کا منصب سنبھالنے کی اب طاقت نہیں رہی ہے لیکن اس وقت میری معذرت قبول نہ کی گئی اور مجھے امیر منتخب کر لیا گیا پھر نومبر ۵۶ء میں جب مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا تو میں نے استعفیٰ پیش کیا اور یہ بھی گذارش کی کہ وجوہ کو زیر بحث لائے بغیر مجھے سبکدوش کر دیا جائے لیکن میری درخواست بھی رد کر دی گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا امیر جماعت رہنا جماعت کے لئے مفید ہونے کی نسبت نقصان دہ زیادہ ہے اس لئے میں اس منصب کو چھوڑنے میں ایک لمحہ کی دیر لگانا بھی گناہ سمجھتا ہوں اور یہ بات واضح کئے دیتا ہوں کہ یہ استعفیٰ واپس لینے کے لئے پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ اب جماعت میں کوئی منصب بھی' حتیٰ کہ مجلس شوریٰ کی رکنیت بھی قبول نہ کروں گا۔ میں جماعت کے نصب العین اور نظام کی جو کچھ بھی خدمت کر سکتا ہوں اب صرف ایک رکن جماعت کی حیثیت سے کر سکتا ہوں مولانا نے مزید لکھا ہے کہ جماعت اسلامی کے ساتھ میرا تعلق محض ضابطہ کا ہے اور نہ کسی منصب پر موقوف ہے یہ ایک گہرا قلبی و روحانی رشتہ ہے جو کسی حال میں ٹوٹ نہیں سکتا اور جماعت کا مقصد میرا اپنا مقصد زندگی ہے جس کی خاطر ہی میرا جینا اور مرنا ہے اس لئے میری خدمات جماعت اسلامی کے لئے جس طرح آج تک وقف رہی ہیں اسی طرح انشاء اللہ ہمیشہ رہیں گی اور جو بھی امیر جماعت ہو گا میں اس کا خیر خواہ اور اس کی اطاعت فی المعروف کا پابند رہوں گا۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس چیز کی تعمیر کے لئے میں نے آج تک جان کھپائی ہے اب میں ہی اس میں کسی خرابی کے پیدا ہونے کا ذریعہ بنوں۔"

دو نصیحتیں

امارت کا منصب چھوڑتے ہوئے میں جماعت کو دو باتوں کی نصیحت کرتا ہوں- پہلی نصیحت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اس جماعت کی بھلائی چاہتا ہے' میرے استعفیٰ کے وجوہ کو زیر بحث لانے سے کلی اجتناب کرے- اس بحث میں بھلائی اگر کچھ ہو بھی تو وہ برائی کی نسبت بہت کم ہے-

دوسری نصیب میں یہ کرتا ہوں کہ امارت کا نیا نظام بالکل اسی طرح کیا جائے جس طرح ایک امیر جماعت کے اچانک مرجانے پر کیا جانا چاہئے کوئی بحث جو اس سے پہلے پیدا ہوئی نہ تازہ کی جائے اور نہ اس کا پس منظر ہی پیش نظر رکھا جائے-

میں تمام رفقائے جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے ہر دور امارت میں نہایت اخلاص و محبت اور پورے اعتماد کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا ہے- اللہ تعالیٰ اس پر انہیں جزائے خیر دے اس کے ساتھ میں ان تمام رفقاء سے معافی چاہتا ہوں جنہیں پچھلے پندرہ سال میں کبھی مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو-[۲۴]

(جاری ہے)

حوالہ جات

۱- سعید ملک کے ساتھ انٹرویو-

۲- وثائق مودودی' لاہور' ۱۹۸۴ء' ۸۸-

۳- ارشاد احمد حقانی' "ہمدم دیرینہ" روزنامہ جنگ' راولپنڈی' ۲۹ اپریل' ۱۹۹۳ء
سابق ایڈیٹر روزنامہ "تسنیم" لاہور و سابق مرکزی ممبر مجلس شوریٰ جماعت اسلامی امیر جماعت اسلامی پنجاب' لاہور' ۱۹۸۴ء

۴- وثائق مودودی' لاہور' ۱۹۸۴ء' ۸۳

۵- وثائق مودودی' لاہور' ۱۹۸۴ء' ۸۴- ۸۳ ؛
مولانا مودودی صاحب کے یہ مضامین تین جلدوں میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کی صورت میں شائع ہوئے-

☆- زمین پر خدائی بادشاہت والی اصطلاح یعنی حکومت الہیہ عیسائیوں کے یہاں عام ملتی ہے البتہ مسلمانوں میں ہندوستان کے اندر مولانا مودودی نے مغربی اور عیسائی لٹریچر سے حاصل کیا ہے گو مولانا نے اس کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ جو تاریخ کے طالب علم ہیں وہ اس قسم کی تحریریں عیسائی پادریوں اور مفکرین کے یہاں عام پائیں گے۔

۶- اسرار احمد' ڈاکٹر' تحریک جماعت اسلامی' ۶۰

۷- اسرار احمد' ڈاکٹر' تحریک جماعت اسلامی' ۷۳

۸- انٹرویو مولانا عبدالغفار حسن ؛

Aziz, K.K, Party Politics in Pakistan, 143

۹- ابوالاعلیٰ مودودی' مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش' جلد سوم' پٹھانکوٹ' ۱۹۴۲ء' ۷۵

۱۰- ابو الاعلیٰ مودودی' مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش' جلد سوم' ۱۰۵

۱۱- اسرار احمد' ڈاکٹر' تحریک جماعت اسلامی' ۶۹

☆- مولانا مودودی قبل از پاکستان انتخابات اور مغربی جمہوری اداروں کو اسلامی نقطہ نظر سے باطل قرار دے چکے تھے آپ نے تحریر فرمایا تھا "ہم کہتے ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانہ کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں ان کی رکنیت حرام ہے اور ان کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے۔" رسائل و مسائل ۴۵۷- مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ ۵۱-۱۹۴۳ء

۱۲- انٹرویو سعید ملک۔

۱۳- انٹرویو مولانا امین احسن اصلاحی۔

۱۴- ارشاد احمد حقانی' "ہمدم دیرینہ" روزنامہ جنگ' راولپنڈی' ۲۹ اپریل ۱۹۹۳ء

۱۵- ارشاد احمد حقانی' "ہمدم دیرینہ" روزنامہ جنگ' راولپنڈی' ۲۹ اپریل ۱۹۹۳ء

۱۶- انٹرویو مولانا عبدالغفار حسن

۱۷- انٹرویو مولانا عبدالغفار حسن

۱۸- اسرار احمد' ڈاکٹر' تحریک جماعت اسلامی' ۴

۱۹- ہفت روزہ "ندا" لاہور' ۷ مارچ ۱۹۸۹ء' ۲۵

۲۰- انٹرویو مولانا عبدالغفار حسن-

۲۱- انٹرویو مولانا عبدالغفار حسن-

۲۲- انٹرویو سعید ملک-

۲۳- روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۶ جنوری ۱۹۵۷ء

۲۴- روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۱ جنوری ۱۹۵۷ء